تحریر: اکرام اللہ ساجد

دعوت واصلاح کا طریق کار

اگر ہم اپنی موجودہ حالت کا جائزہ لیں تو اس تلخ حقیقت کا انکشاف ہوگا کہ ہم میں وہ تمام برائیاں بدرجہ اتم موجود ہیں جن کے باعث پہلی بہت سی قومیں عتابِ الٰہی کا شکار ہو کر تباہ و برباد ہوگئیں مثلاً

- چوری، ڈاکہ زنی، قتل و غارت اور لوٹ مار عام ہے۔
- احتکار (ذخیرہ اندوزی) ناجائز منافع خوری، چوربازاری اور سمگلنگ تجارت کا جزو لاینفک بن چکی ہے۔
- سود ہماری معیشت کا لازمہ ہے۔
- حرام خوری، رشوت، بددیانتی، نافرض شناسی اور عدم خلوص کے ہاتھوں ہر شخص نالاں ہے۔
- عریانی، فحاشی، آوارگی، بے راہروی اور بے حیائی کا ایک ایسا موجیں مارتا ہوا سیلاب امڈ آیا ہے کہ جس میں ہر شخص (الا ماشاءاللہ) حقیر تنکے کی طرح بہا چلا جاتا ہے۔
- زنا، شراب نوشی اور جوا صرف پرمٹ حاصل کرنے کے بعد جائز اور حلال سمجھا جاتا ہے۔ گویا اس کے تمام اثرات بد اور نتائج شنیعہ کو کاغذ کے ایک حقیر ٹکڑے میں چھپا لینے کی کوشش کی جاتی ہے۔
- جھوٹ، غیبت، چغلی اور فحش کلامی کو باعث افتخار سمجھا جاتا ہے۔
- مکر و فریب، ریاکاری اور دجل سازی کو چالاکی اور ہوشیاری سے منسوب کر کے مستحسن خیال کیا جاتا ہے۔

اور ان سب پہ مستزاد یہ کہ خالق حقیقی سے ہمارا تعلق کٹ چکا ہے۔ اصل احکام شرعیہ کی جگہ بہت سے

مشرکانہ عقائد اور رسوم نے لے لی ہے۔ سادہ رنگ برہنہ ہو کر سڑکوں اور فٹ پاتھوں پر بیٹھنے والے پاگلوں کو ہم نے اولیاء اللہ کے مقام تک پہنچا دیا ہے جن کے قبضۂ قدرت میں ایسی ایسی باتوں کا تصور کر لیا گیا ہے کہ صرف رب السمٰوات والارض ہی کو لائق اور سزاوار ہیں ——— خداوند کریم کے احکام کیا ہیں؟ قرآنی تعلیمات ہمیں کس راستے پر چلانا چاہتی ہیں، سنتِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری کس طرح راہنمائی فرماتی ہے، اس سے ہمیں کوئی سروکار ہی نہیں ——— اپنی مرضی اور عقل سے ہم نے دین میں ایسی بہت سی باتوں کو شامل کر لیا ہے کہ احادیث نبویہ اور ارشادات ربانی نہ صرف ان کے یکسر خلاف ہیں بلکہ ان پر وعید آئی ہے اور پھر طرہ یہ کہ آئے دن انہی باتوں کے برے نتائج ہمارے سامنے آتے بھی رہتے ہیں، جو ان کے ناجائز، من گھڑت اور بے بنیاد ہونے پر دال ہیں لیکن ہم ہیں کہ ان کو عملی جامہ پہناتے چلے جا رہے ہیں، یہی نہیں بلکہ ان کے کرنے پر مصر اور ان کو غلط بتلانے والوں کو مطعون کرنے کے لیے ہر دم اور ہر آن مستعد اور چوکس رہتے ہیں جن کی بنا پر اصل اسلامی احکام پس پردہ چلے گئے ہیں ——— حقیقت مسخ ہو چکی ہے اور خود ساختہ چیزیں دین کی صورت میں ظاہر ہو کر ہم میں رواج پا چکی ہیں۔

الغرض ہماری حالت اب بالکل وہی ہے کہ جس حالت پر پہلی کوئی قوم پہنچ جایا کرتی تھی تو اللہ جل شانہٗ اپنے کسی نبی یا رسول کو اس قوم کی اصلاح کے لیے مبعوث فرما دیا کرتے تھے، لیکن چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی اور رسول ہیں کہ نبوت آپؐ پر ختم ہے لہٰذا اب کوئی رسول یا نبی ہماری اصلاح کے لیے نہ آئے گا۔

ان حالات میں اصلاح کی ذمہ داری "العلماء ورثۃ الانبیاء" کے تحت علماء پر عاید ہوتی ہے اور ہمیں یہ تسلیم ہے کہ علماء نے اصلاحِ احوال کے لیے واقعتاً بہت کوششیں بھی فرمائیں لیکن بدقسمتی سے یہ مؤثر ثابت نہ ہو سکیں جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کی اصلاح کا طریق کار اس طریق کار سے مختلف تھا جسے انبیاء علیہم السلام نے ایسے ہی حالات میں اپنایا اور جس کی تعلیم خداوند قدوس نے انبیاء کرام کے ذریعے ہمیں دی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض مصلحین میں مایوسی نے جنم لیا اور مایوسی نے فراریت کا راستہ ہموار کیا، گویا احساسِ زیاں ہی جاتا رہا[1] ——— اور قوموں کی زندگی میں یہ غفلت بہت خطرناک نتائج کا

---

[1] اتفاقاً اس وقت ۲۸ دسمبر ۱۹۷۱ء کا نوائے وقت میرے سامنے ہے جس کے پہلے صفحہ پر ریڈ کراس تنظیم کی طرف سے ایک خفیہ رپورٹ شائع ہوئی ہے کہ ہمارے جنگی قیدیوں پر بے انتہا مظالم کئے گئے حتیٰ کہ ان کے ناخنوں کو زنبوروں سے کھینچ لیا گیا، کتوں سے ان کی بوٹیاں نچوائی گئیں، ہنگریٹوں سے ان کے جسموں کو داغا گیا، شدید جاڑوں میں بغیر کپڑوں کے اور شدید گرمی میں بغیر سائے کے انہیں رکھا گیا، چوبیس چوبیس گھنٹوں تک انہیں کھانے کے لیے کچھ نہ دیا گیا، ان (باقی صفحہ پر)

باعث ہوا کرتی ہے ۔ کیونکہ اصلاح کا پہلا قدم غلطی یا گناہ کا احساس ہوتا ہے ، لیکن اگر احساس جرم ہی مٹ جائے تو اصلاح ناممکن ہو جاتی ہے ۔ فی الوقت عدمِ احساسِ جرم کے جرم میں عوام اور خواص سبھی مبتلا ہیں ۔ عوام اگر بے شعور ہیں تو خواص کے شعور کو مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے جس کی ایک بڑی وجہ ہمارے موجودہ سیاسی ، سماجی اور اقتصادی حالات بھی ہیں جو درحقیقت ہماری اپنی ہی کوتاہیوں اور بداعمالیوں کا نتیجہ ہیں اور جن کی اصلاح کے لیے ہم اپنے روایتی غلط طریق کار کو اپناتے ہیں لیکن جڑ کو نظرانداز کر کے شاخوں کا علاج کرنے کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

دوسرے لفظوں میں ہم جن اعمال کی سزا بھگت رہے ہیں ۔ انہی کو بروئے کار لا کر اپنی اصلاح کے طالب ہیں ، ہم جس بیماری میں مبتلا ہیں اسی کو مزید فروغ دے کر صحت کی امید رکھتے ہیں ——— فصلوں کو کیڑا لگتا ہے تو ہم زہریلی دوائیں چھڑکتے ہیں ، وقت پر بارش نہیں ہوتی تو ہم ٹیوب ویلوں کا اہتمام کرتے ہیں ۔ اجناس کی پیداوار میں کمی کو نئے نئے بیج ایجاد کر کے پورا کرنا چاہتے ہیں اور جب نتیجہ "ڈھاک کے وہی تین پات " نکلتا ہے تو ہم چوری ، لوٹ مار ، دھاندلی ، ذخیرہ اندوزی ، سمگلنگ ، ملاوٹ ، کم آمیزی وغیرہ کا سہارا لیتے ہیں لیکن بجائے کچھ فائدہ حاصل کرنے کے مزید بے برکتی اور نقصانات کا سامنا کرتے ہیں یہی نہیں بلکہ ناخالص اشیاء کا استعمال اور زہریلے پانی میں پرورش پانے والی فصلیں طرح طرح کی بیماریوں کا باعث بنتی ہیں ۔ یہ بیماریاں اکثر اوقات وبائی صورت اختیار کر لیتی ہیں اور پھر ہم ایسی ادویات اور انجکشنوں کا سہارا لیتے ہیں کہ جن کی درآمد پہ بے اندازہ زرِمبادلہ خرچ ہوتا ہے ، علاج معالجہ کے لیے باقاعدہ عملہ کا اہتمام کیا جاتا ہے جس کے ارکان کو نہ صرف ماہانہ تنخواہ دی جاتی ہے بلکہ دوسری بہت سی سہولتیں بھی میسر ہوتی ہیں ، اس کے باوجود ان میں سے بہت کم لوگ اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے دیانتداری

بقیہ صفحہ سابقہ کے سونے کا انتظام یوں کیا گیا کہ ان کے گرد دیانے سے بھری ہوئی بالٹیاں رکھوائی گئیں نیز یہ کہ ان قیدیوں میں شیرخوار بچے ، نومولود اور گیارہ بارہ سال کی عمر کے بچے بھی شامل ہیں ——— اور اخبار کے دوسرے صفحہ پر ملک معراج خالد صاحب وزیر اعلیٰ پنجاب کی ایک تصویر ان مظلوموں کا منہ چڑا رہی ہے کہ آنجناب ۱۹۸۷ء کے فلم ایوارڈ کی تقریب میں شرکت کر کے انعامات تقسیم فرما رہے ہیں ۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

سے کام چلاتے ہیں[1] یہی وجہ ہے کہ نتیجہ عموماً صفر ہوتا ہے، پھر ان کی اصلاح کے لیے تحقیقاتی کمیشن بٹھائے جاتے ہیں۔ گویا اخراجات کی ایک اور معقول مد پیدا ہو جاتی ہے ـــ پھر اگر یہ کمیشن ایمانداری سے کام کرتا ہے اگرچہ یہ ایک ناممکن سی بات ہے، تو متعینہ عملہ ہڑتالوں پر اتر آتا اور مطالبات کی بھرمار کر دیتا ہے، جس کا نتیجہ گورنمنٹ کی طرف سے دھمکیوں اور یا پھر امن عامہ کی تباہی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ قریباً یہی ڈرامہ ہر محکمہ میں کھیلا جاتا ہے لیکن اس تمام دھماچوکڑی کے باوجود اصل مرض صحیح علاج نہ ہونے کے باعث ایک روگ بن جاتا ہے، وہ چھوٹا سا زخم جس کے لیے شروع میں معمولی مرہم پٹی کی ضرورت ہوتی ہے ایک ایسا ناسور بن جاتا ہے کہ جس کا علاج ناممکن ہو جاتا ہے اور جو بالآخر مریض کی جان لے کر چھوڑتا ہے۔

ہمارا معاشرہ اب ان ناسوروں سے بھر چکا ہے۔ جن کے زہریلے اثرات تمام ملک کو اپنی لپیٹ میں لے رہے ہیں۔ اس نازک صورتِ حالات سے ہم گھبرا اٹھے ہیں اور اس بوکھلاہٹ اور گھبراہٹ میں ہم تباہی کی طرف بڑھتے ہی چلے جا رہے ہیں۔ ہمارا ہر اٹھنے والا قدم ہمیں تباہی اور بربادی کے مہیب غار کی طرف دھکیل رہا ہے ـــ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا واقعی اس زہر کا تریاق ہمارے پاس موجود نہیں؟ اس متوقع تباہی اور بربادی سے بچنے کا ہمارے پاس کوئی راستہ نہیں؟ کیا یاس کے اندھیروں میں امید کی کوئی کرن بھی ہمیں نظر نہیں آتی؟ ـــ اس منزل پر ہمارے ہادیٔ برحق (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پیامِ حیات آفریں روشنی کے مینار کی صورت میں جلوہ گر ہو کر یاس کے تاریک پردوں کو چیرتا ہوا ہمیں امن و سلامتی کا مژدۂ جانفزا سناتا نظر آتا ہے۔

"یا ایھا الناس! قولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحوا!

کہ اے لوگو! لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کر لو فلاح پاؤ گے!

پس تم اے اہلِ اسلام جو اپنی اور دوسروں کی اصلاح اور فلاح کے طالب ہو، اپنے معاشرے کے گندے، گھناؤنے اور رستے ہوئے ناسوروں کے علاج کے لیے ان پر ایمان کا مرہم رکھو، توحید کا انجکشن لگاؤ، کتاب و سنت کی تعلیمات کا نسخہ مندمل شرب پیو اور سب سے زیادہ قابل حکیم، ماہر طبیب اور سب سے زیادہ

---

[1] حکومت نے ملیریا وغیرہ کے انسداد کے لیے دیہات میں ویکسی نیٹر مقرر کر رکھے ہیں۔ ایک ویکسی نیٹر سے ملاقات ہوئی، کہنے لگا، سارا دن گھر پہ رہتے ہیں، مفت کی تنخواہ مل جاتی ہے۔ کبھی کبھی کسی گاؤں کا چکر لگا لیتے ہیں، اول تو کبھی شکایت کی نوبت ہی نہیں آتی اور اگر آبھی جائے تو اپنے ملنے ملانے والے بہت ہیں "اس لیے کوئی فکر نہیں!" ـ چہ خوب!

تجربہ کار ڈاکٹر کی ہدایات پر عمل کرو کہ جس کو سرتاج الانبیاء ہونے کے علاوہ رحمۃ للعالمین ہونے کا شرف بھی حاصل ہے، وہ جس چیز کو مضر بتلاتا ہے اس سے پرہیز کرو اور جس کو مفید اور مقوی سمجھتا ہے اس کا بھرپور استعمال کرو ـــــ یقیناً اس پر تمہارا کچھ بھی خرچ نہ اٹھے گا، تمہیں کسی زرمبادلہ کی ضرورت نہ ہوگی، تمہیں کوئی مخصوص عملہ اور اس کے محاسبہ کے لیے کسی تحقیقاتی کمیشن کی ضرورت محسوس نہ ہوگی، لیکن اس کے باوجود تم نہ صرف صحت مند و توانا ہو جاؤ گے بلکہ تم خود بھی ایسے ماہر معالج بن جاؤ گے کہ اغیار تمہیں رشک بھری نظروں سے دیکھیں گے ـــــ تمہارے علم میں ایسے بے شمار مجرب نسخے ہوں گے جن کی بدولت تم دنیا اور آخرت کے تمام دکھوں اور مصائب پر قابو پاکر تمام دینی و اخروی محاسن اور خوبیوں کو اپنے دامن میں سمیٹ سکو گے۔

یہاں شاید کچھ لوگ یہ اعتراض کریں گے کہ ایک ایسا مریض جو اکھڑے اکھڑے سانس لے رہا ہے اور کچھ دم میں اس کا دم غیر ہوا چاہتا ہے، اس کی جان بچانے کی تدابیر اختیار کی جائیں گی یا اس کے مرض کے اصل محرکات معلوم کرکے ان کے علاج کی طرف توجہ دی جائے گی؟ تو ہمارا جواب یہ ہے کہ جس علاج کا ذکر ہم کر رہے ہیں وہ جسمانی نہیں روحانی ہے جسمانی علاج میں ہم یقیناً مریض کی جان بچانے کو اولین حیثیت دیں گے لیکن روحانی علاج میں ہمارا طریق علاج بالکل مختلف ہوگا۔

رہا یہ سوال کہ ہماری یہ بیماریاں روحانی ہیں یا جسمانی تو اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل ہماری جسمانی بیماریاں روحانی بیماریوں ہی کا نتیجہ ہیں ۔ یہ قدرت کا ایک اصول ہے کہ اس کے ماننے والے جب راہ حق سے بھٹکنے کو ہوتے ہیں تو انہیں تھوڑی سی تکلیف میں مبتلا کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ تائب ہوکر دوبارہ اسی کے دامن سے وابستہ ہو جائیں ـــــ ان میں فکر آخرت پیدا ہو کر تبتل الی اللہ اور رجوع الی اللہ کا جذبہ بیدار ہو اور نتیجۃً وہ آخرت کی مستقل تکلیف (عذاب) سے بچ جائیں ۔ جبکہ اس کے برعکس کفار کو کھلی چھٹی دے دی جاتی ہے ۔ علاوہ ازیں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ خدا کے بندے جب خدا تعالیٰ سے لو لگاتے ہیں تو انہیں صرف اخروی راحتیں ہی نصیب نہیں ہوتیں، بلکہ دنیاوی طور پر بھی وہ شادکام ہوتے ہیں اور فوز و فلاح اور کامیابی و کامرانی کے دروازے ان پر کھل جاتے ہیں، ہمارا کام بندگی ہے اور ہماری روزی اور ضروریات کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے اگر ہم اپنا کام دیانتداری سے سرانجام دیں گے تو خداوند کریم ہمارے دنیوی مصائب اور دکھوں کا ازالہ خود بخود فرما دے گا یا دوسرے الفاظ میں یوں کہئے کہ روحانی بیماریوں کا علاج ہو جائے گا تو جسمانی بیماریاں از خود دور ہو جائیں گی ۔

اب جبکہ ثابت ہو چکا کہ ہماری تمام جسمانی بیماریاں روحانی بیماریوں ہی کا نتیجہ ہیں تو پھر ضروری ہے کہ روحانی بیماریوں ہی کا علاج کیا جائے اور چونکہ خداوند کریم خالقِ فطرتِ انسانی ہیں لہذا ہماری بیماریوں کا مؤثر علاج اور اصلاح کا طریق کار وہی ہو سکتا ہے جو وہ تجویز کریں گے اور جس کو اپنا کر انبیاء علیہم السلام نے ــــ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی غرض سے مبعوث فرمائے گئے ــــ اپنے اپنے دورِ حیات میں بھولی بھٹکی انسانیت کو فوز و فلاح اور امن و سلامتی کا راستہ دکھایا ہے۔ پس اب ہم انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے طریق کار کا جائزہ لیں گے تاکہ اس سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد اسے بروئے کار لاتے ہوئے اپنی اور دوسروں کی اصلاح کا فریضہ سرانجام دے سکیں۔

انبیاء کی دعوت کا طریق کار

سورۃ الاعراف میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کی دعوت کو یوں بیان فرمایا ہے:۔

"لقد ارسلنا نوحا الی قومہ فقال یقوم اعبدوا اللہ مالکم من الٰہ غیرہ انی اخاف علیکم عذاب یوم عظیم۔"

ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور انہوں نے (نوحؑ نے) کہا، "اے قوم! اللہ کی عبادت کرو کہ اس کے سوائے تمہارا کوئی معبود نہیں، بیشک میں بڑے دن کے عذاب سے تم پر ڈرتا ہوں"

اسی سورہ میں آگے چل کر حضرت صالحؑ کی دعوت کے بیان میں ارشاد ہے۔

"والی ثمود اخاھم صالحا قال یقوم اعبدوا اللہ مالکم من الٰہ غیرہ قد جاءتکم بینۃ من ربکم ھذہ ناقۃ اللہ لکم آیۃ فذروھا تاکل فی ارض اللہ ولا تمسوھا بسوء فیأخذکم عذاب الیم۔"

"کہ ثمود کی طرف صالحؑ کو بھیجا گیا) انہوں نے فرمایا کہ "اے قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوائے تمہارا کوئی معبود نہیں (علاوہ ازیں) تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک دلیل آ گئی ہے یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے (میرے رسول ہونے) کی نشانی ہے۔ پس اس کو کھلا چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھائے اور اس کو برائی سے نہ چھونا ورنہ تم کو دردناک عذاب آ لے گا۔"

سورۂ اعراف ہی میں حضرت شعیبؑ کی دعوت کا ذکر ہے۔

"والی مدین اخاھم شعیبا قال یقوم اعبدوا اللہ مالکم من الٰہ غیرہ قد جاءتکم بینۃ من ربکم فاوفوا الکیل والمیزان ولا تبخسوا الناس اشیاءھم ولا تفسدوا

بعد اصلاحها ذالکم خیر لکم ان کنتم مؤمنین ۃ

"اور مدین والوں کی طرف ان کے بھائی شعیبؑ (کو بھیجا گیا) انہوں نے فرمایا کہ "اے قوم" اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوائے تمہارا کوئی معبود نہیں، بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل آئی ہے، پس تم ماپ اور تول پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دو اور اصلاح کے بعد فساد نہ کرو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم ایماندار ہو۔"

مندرجہ بالا آیات قرآنی اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ تمام انبیاء کی دعوت کا آغاز توحید سے ہوا۔ اگرچہ قرآن مجید اپنی جامعیت کی وجہ سے تمام میں سے چند اشخاص یا چند واقعات پر اکتفا فرماتا ہے تاہم اس میں شک نہیں کہ ہر آنے والے پیغمبر نے اپنی قوم کو سب سے پہلا پیغام جو دیا، وہ یہی تھا کہ "قولوا لا الٰہ الا اللہ"!

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ توحید ہی کو نقطۂ آغاز دعوت و تبلیغ کیوں قرار دیا گیا جبکہ جن قوموں کی طرف رسولوں کو بھیجا گیا تھا ان میں اور بھی بہت سی اخلاقی، سماجی اور معاشرتی برائیاں موجود تھیں! — مثلاً قوم ثمود میں تکبر اور غرور انتہا کو پہنچا ہوا تھا، قوم لوط ہم جنسی کی لعنت میں اس حد تک گرفتار تھی کہ خود نبی کے مہمانوں (فرشتے جو خوبصورت لڑکوں کی شکل میں آئے تھے) پر بھی ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ قرآن مجید ان کی اس ذلیل عادت کو یوں بیان فرماتا ہے۔

"انکم لتأتون الرجال شهوة من دون النساء بل انتم قوم مسرفون"

اسی طرح قوم شعیبؑ میں کم تولنے اور کم ماپنے کی بیماری عام تھی، لیکن ان تمام قوموں کی ان اخلاقی برائیوں کی طرف براہ راست توجہ دینے کی بجائے انہیں صرف توحید کی دعوت دی گئی۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جن لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا تھا، ان میں بھی شرک کے علاوہ ہر قسم کی اخلاقی بیماریاں مثلاً شراب نوشی، سود خوری، زنا، قتل و غارت، جھوٹ اور مصاہرت وغیرہ موجود تھیں، لیکن آپؐ نے انہیں سب سے پہلے صرف "لا الٰہ الا اللہ" کا پیغام دیا اور باقی برائیوں کو فوراً کوئی اہمیت نہ دی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ دراصل ہر برائی شرک ہے، کیونکہ برائی اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان خواہشات کی پیروی کرتا ہے جس کو قرآن مجید نے خواہشات کو معبود بنانے کے مترادف قرار دیا ہے۔ چنانچہ سورۃ الجاثیہ میں ارشاد ہے۔

"افرأیت من اتخذ الٰهه هواه واضله الله علی علم وختم علی سمعه وقلبه وجعل علی بصره غشاوة . . . . . الآیة"

"کہ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا، جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا لیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے باوجود علم کے گمراہ کیا اور اس کے کانوں اور دل پر مہر کر دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ کر دیا۔"

—— توحید کا معنیٰ یہ ہے کہ انسان اپنے تمام امور کی نسبت اللہ ہی کی طرف کرے، اسی کی رضامندی کو پیش نظر رکھتے ہوئے نیکی کرے اور اسی کے خوف کو سامنے رکھ کر گناہ سے بچے، جس کو ہم دوسرے لفظوں میں فکر آخرت کا نام دیں گے —— اور یہ فکر آخرت جب انسان کی فطرت بن جائے گی۔ تو اس کیفیت کا نام ایمان ہوگا اور جب ایمان پیدا ہو جائے تو گناہ چھوڑنا اور گناہ سے بچنا بائیں ہاتھ کا کھیل ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ شروع زمانۂ اسلام میں صرف توحید کا پرچار کیا گیا تاکہ فکر آخرت پیدا ہو کر دلوں میں ایمان راسخ ہو جائے اور جب ایمان راسخ ہو گیا تو پھر بڑی آسانی سے ہر وہ بری سے بری عادت ان لوگوں سے بآسانی چھڑائی گئی جو ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی —— شراب کو قسط وار حرام ٹھہرانے میں بھی یہی مصلحت کارفرما تھی، جوں جوں ایمان پختہ ہوتا گیا، شراب کا قانون سخت ہوتا گیا، یعنی سب سے پہلے یہ حکم ہوا۔

"یا ایھا الذین آمنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ حتیٰ تعلموا ما تقولون۔ الآیۃ"

کہ "اے مسلمانو! جب تم شراب سے بدمست ہو تو اس وقت تک نماز کے قریب جاؤ جب تک تم یہ نہ جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو یعنی جب تک ہوش میں نہ آ جاؤ۔"

اس وقت تک کا ایمان صرف اتنی ہی پابندی کا متکلف تھا۔

اور پھر جب ایمان کو مزید تقویت ملی تو فرمایا۔

یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر ومنافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما"

کہ "آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے منافع بھی، لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت زیادہ ہے۔"

پھر جب ایمان انتہا کو پہنچ گیا تو حکم ہوا کہ:

یا ایھا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون ۝

کہ "اے مسلمانو! شراب اور جوا۔ بت اور تیروں کی تقسیم ناپاک چیزیں ہیں اور شیطانی اعمال میں داخل ہیں۔ پس ان سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔"

—— اب تو لوگ جیسے تیار ہی بیٹھے تھے، یہ حکم سنتے ہی شراب کے تمام ذخیرے ضائع